الروض المجود فی تقدیم الرکبتین عند السجود

جہالت یا نفسانیت کا برا ہو جس کی وجہ سے غیر مقلد مضمون نگار نے وہ
کام کیا جو اسے اہل حدیث کہلا کر نہ کرنا چاہئے، حدیث وضع الرکبتین
قبل الیدین کا رجحان اس کے معارض پر اس درجہ واضح ہے کہ شک
وشبہ کی گنجائش نہیں، مگر جہل مرکب یا چند غیر مقلدین کی تقلید کورانہ
نے مضمون نویس کو اس صداقت کی تسلیم سے باز رکھا

الروض المجود فی تقدیم الرکبتین عند السجود

الحمد لله الذی جعلنا ایها الحنفیة من متبعی شریعته الغراء والقائمین علی الملة التی لیلها ونهارها سواء، والصلوة والسلام الأتمان الأکملان علی سید الانس والجان نبیه وصفیه الذی اضاء لنا معالم الدین وأوضح لنا مناهج التصدیق والیقین سیدنا ومولانامحمد امام الانبیاء وعلی آله وصحبه الکرام النجباء أما بعد:

اتباع سنت سنیہ باعث فلاحِ دارین ہے، اور ابتداع بدعت نامرضیہ موجب خسران کونین، مگر ہوائے نفس کے بندے، اور خواہش نفسانی کے غلام ہمیشہ غلط راستہ اختیار کرتے رہے اور پہلے پر دوسرے کو ترجیح دیتے رہے، فرقہ محدثہ غیر مقلدین گو زبان دہن وقلم سے اتباع سنت کا دم بھرتا رہا اور اس کو ہمیشہ یہی لکھتے اور کہتے دیکھا اور سنا گیا کہ ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

مگر ان کہنے والوں، لکھنے والوں کے دلوں کو ٹٹولو، اُن کے اعمال وافعال کا جائزہ لو، تم ان کے زبان ودل، قول وفعل میں بین تخالف، کھلا تناقض، صریح تنافی پاؤ گے۔ دور کیوں جاؤ ۲۸ر جمادی الاولی کا اہلحدیث ہاتھ میں لو، اس کے صفحہ ۸ میں ''سجدہ میں جاتے وقت ہاتھوں کو پہلے رکھنے کی سنیت'' کے عنوان پر تمھاری نظر پڑے گی، اسے پڑھو اور میری صداقت بیان کی داد دو۔

میں مضمون پڑھ کر متحیر رہ گیا کہ الٰہی مضمون نگار کو خلل دماغ کا عارضہ ہے، یا دیدہ ودانستہ آمادۂ اغوائے خلق وتلبیس باطل ہے، چونکہ مضمون نگار ابھی ''کے آمدی وکے پیر شدی'' کا مصداق ہے اس لیے ہمارے منھ سے دعا نکلتی ہے۔

خدا ترا بت کافر دراز سن تو کرے جفائے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی غلطیوں پر اس کو متنبہ کردوں، اوراسی کے ساتھ احقاق حق کا فرض بھی ادا ہو جائے۔إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله۔

جہالت یا نفسانیت کا برا ہو جس کی وجہ سے غیر مقلد مضمون نگار نے وہ کام کیا جو اسے اہل حدیث کہلا کر نہ کرنا چاہئے، حدیث وضع الرکبتین قبل الیدین کا رجحان اس کے معارض پر اس درجہ واضح ہے کہ شک وشبہ کی گنجائش نہیں، مگر جہل مرکب یا چند غیر مقلدین کی تقلید کورانہ نے مضمون نویس کو اس صداقت کی تسلیم سے باز رکھا۔

ناظرین! جس حدیث سے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے کی سنیت ثابت ہوتی ہے، وہ ترمذی وابوداود وابن ماجہ ونسائی وصحیح ابن خزیمہ وصحیح ابن حبان وصحیح ابن السکن کی حدیث ہے:

عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه

یعنی وائل حجر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے زانو کو ہاتھوں سے پہلے (زمین پر) رکھتے اور جب سجدہ سے اٹھتے تو زانو سے پہلے ہاتھوں کو اٹھاتے

سنن اربعہ میں اس حدیث کی مشترک سند یہ ہے: يزيد بن هارون أنا شريك عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر۔ اس سند کے

امام رجال ثقہ ہیں۔ شریک بن عبداللہ کے بارے میں البتہ لوگوں نے کلام کیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ وہ ساقط الاحتجاج نہیں ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی اور حازمی نے ان کی اسی حدیث کی تحسین کی ہے، اور ابوداود نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے، جو ان کے نزدیک اس کے صالح ہونے کی دلیل ہے، اور ابن معین نے شریک کی توثیق کی ہے، اور امام نسائی نے لا بأس بہ کہا ہے، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان کی روایتیں لی ہیں۔

الحاصل شریک کی حدیث حسن سے کم نہیں، بالخصوص جب کہ ان کا کوئی متابع یا ان کی حدیث کا شاہد بھی موجود ہو، اس وقت تو دارقطنی وغیرہ کے نزدیک بھی ان کی حدیث قابل احتجاج ہو جائے گی، اور یہاں متابع وشاہد دونوں موجود ہیں، تو اب ان کی حدیث کی صحت اور حجیت میں کیا کلام ہوسکتا ہے، شریک کا متابع ھمام ہے مگر اس کی روایت مرسل ہے، مگر بہت قوی مرسل ہے اور متابعت کے لیے کافی ہے، امام ترمذی نے لکھا ہے: **وروی همام عن عاصم هذا مرسلاً ولم يذكر وائل بن حجر** ، یعنی ہمام نے اس حدیث کوانھیں عاصم سے مرسلاً روایت کیا ہے اور وائل بن حجر کا نام نہیں لیا ہے، اور ابوداود نے لکھا ہے: **قال همام وحدثنا شقيق قال حدثني عاصم بن كليب عن ابيه عن النبي ﷺ بمثل هذا** ۔ پس اگر عاصم سے ہمام اور شقیق دونوں نے روایت کیا ہے تو شریک کے دو متابع ہوئے۔

اور ہمام نے موصولاً بھی اس کو روایت کیا ہے سنن ابوداود میں ہے: **حدثنا محمد بن معمر ثنا حجاج بن منهال ثنا همام ثنا محمد بن جحادة عن عبدالجبار بن وائل عن ابيه ان النبي ﷺ فذكر حديث الصلوة قال فلما سجد وقعتا ركبتاه الى الارض قبل ان يقع كفاه** (۸۵/۱)

اس روایت میں صرف اتنی بات ہے کہ اس حدیث کو عبدالجبار بن وائل

اپنے باپ سے بلا واسطہ روایت کرتا ہے، اور اکثر محدثین کے نزدیک اس کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں ہے، لہذا یہ روایت مرسل ہوگی، لیکن اولاً تو مرسل حنفیہ کے نزدیک حجت ہے، اس لیے اس سے ہمارے ہاں احتجاج درست ہے، اور ثانیاً یہ متابع ہے اور متابعات میں اتنی بات چنداں مضر نہیں، ہمارے یہاں ان دونوں وجہوں سے یہ روایت مقبول ہوگی، اور غیر مقلدین کو اس وجہ سے اس کے قبول سے چارہ نہیں ہے کہ ان کے یہاں عبدالجبار کا سماع اپنے باپ سے ثابت ہے (۱) (دیکھو تحریرات غیر مقلدین بابت آمین بالجہر) لہذا یہ روایت مرسل نہ رہے گی اور اچھی خاصی حدیث شریک کی مؤید ہوگی، بلکہ حق تو یہ ہے بانفرادہ اور تنہا قابل احتجاج ہوگی، اور چونکہ اس کے اسناد کے تمام رجال ثقات ہیں، اس لیے ضعف اسناد کا دعویٰ بھی ممکن نہیں ہے، اور اگر بفرض المحال کوئی ایسا کرے بھی تو بے سود ہے، اس لیے کہ دعوی ضعف کی صورت میں بھی متابعت کے لیے بہت کافی ہوگی۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں   لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اور شریک کی اس حدیث کے دو شاہد ہیں: ایک ابو ہریرہ کی حدیث ہے اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ میں ہے اور اثرم وابن ابی داود نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

حدثنا محمد بن فضیل عن عبد الله بن سعید عن جده عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: إذا سجد احدكم فليبدأ بركبتيه قبل يديه ولا يبرك كبروك الفحل	[حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص سجدہ کرے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھے اور اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے]

(۱) اسی بنا پر دارقطنی نے عبدالجبار کی آمین بالجہر والی حدیث کی تصحیح کی ہے اور مولوی ابراہیم سیالکوٹی وغیرہ نے بھی اثبات سماع پر زور دیا ہے اور اس کو صحیح مانا ہے ۱۲ منہ

(زادالمعاد بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ)

اور دوسرا شاہد حدیث انس ہے:

عن انس قال رأيت رسول الله ﷺ انحط بالتكبير حتى سبقت ركبتاه يديه (زادالمعاد وتلخیص الحبیر بحوالہ دارقطنی وحاکم وبیہقی)

[حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تکبیر کہتے ہوئے (سجدہ میں) جاتے دیکھا کہ آپؐ کے گھٹنے آپ کے ہاتھوں سے پیشتر زمین پر پڑے]

اس میں شک نہیں کہ یہ روایتیں ضعیف ہیں (۱)، مگر مستقل حجتیں نہیں ہیں بلکہ شواہد ہیں، اس لیے ان کا ضعف مضر نہیں، كما لا يخفى على من له إلمام بالحديث۔

خلاصۂ مرام اینکہ وضع رکبتین قبل الیدین کے باب میں وائل بن حجر کی حدیث بطریق شریک اولاً تو بانفرادہ حسن ہے ثانیاً اُس کے دو متابع (ایک غیر مقلدین کے خیال کے بنا پر صحیح اور ایک مرسل) اور دو شواہد موجود ہیں اور ان کی موجودگی میں حدیثِ شریک بلا شک وشبہ قابلِ احتجاج ہے چنانچہ اکثر اہلِ علم کے نزدیک یہی حدیث معمول بہ ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:

والعمل عليه عند اكثر اهل العلم يرون ان يضع الرجل ركبتيه قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه

یعنی اکثر اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ (سجدہ میں جاتے وقت) آدمی اپنے ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے اور جب (سجدہ سے) اٹھے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو اٹھائے۔

---

(۱) حاکم نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا ہے لا أعرف له علة میں اس میں کوئی علت (جرح) نہیں پاتا۔ اور ذہبی نے تلخیص مستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے سکوت کیا ہے ۱۲ منہ

اور ائمۂ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام شافعی اور ان کے علاوہ ابراہیم نخعی، مسلم بن یسار، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ اور امام ابوحنیفہ کے تمام اصحاب اور اہلِ کوفہ اسی کے قائل ہیں (زادالمعاد ج۱ ص۵۹) اور صحابہ کرام میں سے حضرت خلیفۂ ثانی عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اسی کے قائل و فاعل تھے (زادالمعاد و شرح معانی الآثار للطحاوی) اور ایک روایت میں مالک بھی اس کے قائل ہیں (مسک الختام ص۴۵۴)

جب آپ یہ معلوم کر چکے تو بغور سنئے کہ حدیثِ وائل کے خلاف ابوہریرہ کی ایک حدیث ہے:

إذا سجد احدكم فلا يبرک كما يبرک البعير و ليضع يديه قبل ركبتيه (ابوداؤد)	یعنی جب کوئی شخص سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور چاہئے کہ اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھے

اور اس حدیث کے متعلق نامہ نگار اہلحدیث نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے

''اس روایت کے تمام رواۃ ثقہ و معتبر ہیں کسی قسم کی کوئی جرح ان پر نہیں کی گئی ہے بخلاف حدیث وائل بن حجر کے کہ نقاد حدیث نے اس کے بعض راوی میں کلام کیا ہے اور بغیر متابعت کے اس کی روایت کو غیر مقبول قرار دیا ہے''۔

میں بھی یہ نہیں کہتا کہ اس حدیث کے تمام روات بالکل نا قابل اعتبار ہیں اور یہ حدیث بہت ضعیف ہے، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ نامہ نگار اہلحدیث نے ناواقفوں کو دھوکا دیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ اس حدیث کے تمام روات جرح سے بالکل سالم ہیں اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ حدیث ابوہریرہ حدیث وائل سے ارجح ہے، نامہ نگار نے حدیث ابوہریرہ ابوداؤد سے نقل کی ہے اور اس کی اسناد میں ایک راوی عبدالعزیز بن محمد ہیں ان کی نسبت امام احمد کا خیال ہے کہ ان کا حافظہ خراب ہے،

کتاب دیکھے روایت کریں تو اعتبار نہ کرنا چاہئے، فرماتے ہیں: إذا حدث من حفظه يهم ليس هو بشيئ و إذا حدث من كتابه فنعم و إذا حدث من حفظه جاء ببو اطيل اور ابو حاتم نے ان کو نا قابل احتجاج کہا ہے قال ابو حاتم لا يحتج به اور ابو زرعہ بھی ان کے خرابیٔ حافظہ کے شاکی ہیں قال ابو زرعة سيئ الحفظ (میزان) حافظ ذہبی باوجودیکہ بہت میانہ رو نقادفن ہیں مگر انھوں نے بھی ان لفظوں میں ان پر جرح کی ہے لکھا ہے غیرہ اقوی منه یعنی ان کے علاوہ جو ہے وہ ان سے قوی ہے۔ اور اس حدیث کے ایک راوی محمد بن عبداللہ بن حسن ہیں ان کی بابت امام بخاری جیسے محتاط شخص نے یہ فرمایا ہے لا يتابع على حديثه یعنی ان کی حدیث پر ان کی متابعت نہیں کی جاتی ہے، یعنی غرائب کے راوی ہیں اور خصوصیت کے ساتھ حدیثِ زیرِ بحث کی بابت فرمایا ہے کہ اس حدیث کی روایت پر ان کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے اور میں نہیں جانتا کہ انھوں نے ابو الزناد سے سنا بھی یا نہیں (میزان) اور ایک راوی سعید بن منصور ہیں ان پر فسوی نے جرح کی ہے۔ ان اقوالِ ائمہ کو سامنے رکھتے ہوئے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نامہ نگار اپنے اس قول (اس روایت کے تمام روات ثقہ و معتبر ہیں کسی قسم کی جرح ان پر نہیں کی گئی) میں کہاں تک سچا ہے، لطف یہ ہے کہ آگے چل کر خود اپنے منھ سے اپنی تردید کی ہے لکھتا ہے "وہ (حدیث ابو ہریرہ) بھی جرح سے بالکل سلامت اور بہر نوع محفوظ نہیں ہے"، بہر کیف حدیث ابو ہریرہ ضعف سے بالکل سالم نہیں ہے، اور پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حدیث وائل حسن سے کم تر نہیں ہے، لہٰذا حدیث وائل کے تقدم و رجحان میں کیا کلام ہے؟ اور اگر بالفرض حدیث ابو ہریرہ حدیث وائل کے مساوی ہی ہو تو بھی حدیث وائل ترجیح و تقدیم کی زیادہ مستحق ہے، وجوہ ترجیح یہ ہیں:

۱- حدیث ابو ہریرہؓ کا پہلا جزو دوسرے کے بالکل مخالف ہے، کیونکہ اس

جزو میں اونٹ کی طرح بیٹھنے سے نہی فرمائی ہے، اور اونٹ بیٹھنے کے وقت پہلے ہاتھوں کو رکھتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھوں کو نہ رکھیں، اور دوسرے جزو میں صریح حکم ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھوں کو رکھیں، اس تخالف کو دیکھ کر علماء نے فرمایا کہ اس حدیث کے کسی راوی کو وہم ہو گیا ہے اور اس نے روایت میں قلب کر دیا ہے، بجائے وليضع ركبتيه قبل يديه کے وليضع يديه قبل ركبتيه کہہ دیا ہے، چنانچہ ابوہریرہ کی دوسری روایت میں جو شواہد حدیث وائل میں لکھی جا چکی ہے یوں ہی ہے، حافظ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

فالحديث والله أعلم قد وقع فيه وهم من بعض الرواة، فإن أوله يخالف آخره فإنه إذا وضع يديه قبل ركبتيه فقد برك كما يبرك البعير فإن البعير انما يضع يديه اولاً

[یعنی حدیث میں کسی راوی سے وہم ہو گیا ہے، کیونکہ اس کا پہلا جزو دوسرے جزو کے مخالف ہے، اس لئے کہ اگر ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھے گا تو اسی طرح بیٹھے گا جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے، اس لئے کہ اونٹ ہاتھوں کو پہلے رکھتا ہے واللہ اعلم]

اور فرماتے ہیں:

وكان يقع لي أن حديث ابي هريرة كما ذكرنا انما انقلب على بعض الرواة متنه واصله ولعله وليضع ركبتيه قبل يديه (الى) حتى رأيت ابا بكر بن ابي شيبة قد رواه كذلك فقال ابن ابي شيبة: حدثنا محمد بن فضيل عن عبد بن سعيد

یعنی میرا خیال تھا کہ حدیث ابوہریرہ کے متن میں کسی راوی سے قلب واقع ہو گیا ہے، غالبًا اصل روایت یوں ہوگی: وليضع ركبتيه قبل يديه یہاں تک کہ میں نے ابوبکر بن ابی شیبہ کو دیکھا کہ انھوں ابوہریرہ سے یوں ہی روایت کیا ہے''۔

... جده عن ابی هريرة عن النبی
... قال: اذا سجد احدكم فليبدأ
... بركبتيه قبل يديه ولا يبرك
... بروك الفحل (۱/۵۸)

حافظ ابن القیم نے ابوبکر بن ابی شیبہ کی جو روایت نقل کی ہے اس کو اثرم وابن ابی داود نے بھی انھیں الفاظ میں روایت کیا ہے۔

مخالفین کو جب حدیث کے دونوں حصوں میں تخالف دکھلایا جاتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اونٹ کے ہاتھ میں گھٹنا ہوتا ہے اور اس تقدیر پر تخالف نہیں رہتا، چنانچہ ... نگار اہلحدیث نے لکھا ہے: ''چار پایوں کے ہاتھوں میں گھٹنہ ہوتا ہے (اور پاؤں میں مرفق) پس چونکہ اونٹ جب بیٹھتا ہے تو ہاتھ کو جس میں گھٹنہ ہوتا ہے زمین پر رکھتا ہے تو گھٹنہ ہی پہلے رکھتا ہے اس لیے اونٹ کی طرح نہ بیٹھنا ہاتھوں کے پہلے رکھنے کو ثابت کرتا ہے'' (اہلحدیث ۲۶ دسمبر ۲۴ء) مگر مخالفین کی اس تاویل کو حافظ ابن القیم نے تین وجہوں سے فاسد قرار دیا ہے:

وجہ اول:- یہ ہے کہ جب اونٹ بیٹھتا ہے تو اپنے ہاتھ پہلے رکھتا ہے اور دونوں پاؤں کھڑے رہ جاتے ہیں اور جب اٹھتا ہے تو دونوں [پاؤں] اٹھ جاتے ہیں اور ہاتھ زمین پر رہ جاتے ہیں اور اسی سے آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے اور اس کے خلاف آپ نے کیا ہے، چنانچہ جب آپ سجدہ کرتے تو پہلے گھٹنوں کو پھر ہاتھ پھر پیشانی کو زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے تو پہلے سر پھر ہاتھ پھر گھٹنوں کو اٹھاتے۔

وجہ ثانی:- یہ ہے کہ مخالفین کا اونٹ کے ہاتھوں میں گھٹنوں کو ثابت کرنا غیر معقول بات ہے، اور یہ وہ بات ہے جس کی اہل لغت کو خبر نہیں ہے، حقیقت میں گھٹنے پاؤں میں ہوتے ہیں مگر ہاتھوں میں اس کی جگہ جو چیز ہوتی ہے اس کو بھی تغلیباً گھٹنا

کہہ دیتے ہیں، حافظ صاحب لکھتے ہیں:

الثانی ان قولهم ركبتا البعير في يديه كلام لا يعقل ولا يعرفه اهل اللغة وانما الركبة في الرجلين وإن أطلق على اللتين في يديه اسم الركبة فعلى سبيل التغليب (زادالمعاد ۱/۵۷)

دوسرے یہ کہ ان کا یہ کہنا کہ اونٹ کے گھٹنے اس کے پاؤں میں ہوتے ہیں ایک ناقابل فہم بات ہے اور اہل زبان اس سے واقف نہیں ہیں، گھٹنے تو پاؤں ہی میں ہوتے ہیں، اگر ہاتھ میں اس کی جگہ جو چیز ہوتی ہے اس پر بولا بھی جائے تو بطور تغلیب کے۔

چنانچہ سراقہ کے قول میں مرفق کے موقع پر رکبہ کا تغلیباً اطلاق ہوا ہے: ساخت یدا فرسی في الارض حتى بلغت الركبتين (بخاری)۔

وجہ ثالث:- یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی فرمانا منظور تھا جو مخالفین کہتے ہیں تو فرماتے فليبرك كما يبرك البعير یعنی اونٹ کی طرح بیٹھے اس لیے کہ اونٹ کے بیٹھنے کے وقت میں پہلے اس کا ہاتھ زمین سے چھوتا ہے۔

اور حق تو یہ ہے کہ رکبۂ بعیر کی بحث درمیان میں بیکار آ گئی ہے ورنہ حدیث میں رکبۂ بعیر (اونٹ کے گھٹنے) کا ذکر تک نہیں، حدیث کے الفاظ میں بروک جیسا ہے لغت سے بروک کی کیفیت معلوم کی جائے، جو کیفیت لغت سے معلوم ہو اسی کی نہی حدیث میں ہے۔ ہم کو جہاں تک معلوم ہے لغت میں بروک شتر کی نشست کے ساتھ خاص ہے، اور اس کی نشست کی کیفیت کون نہیں جانتا یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے جسم کا اگلا حصہ ہاتھ وغیرہ پہلے رکھتا ہے اور پچھلا حصہ بعد میں اور غالباً بروک برک بمعنی سینہ سے ماخوذ ہے، چنانچہ ابتراک زمین پر سینہ رکھنے کو کہتے ہیں، اس لئے حدیث کے پہلے جزو کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جب کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح اپنے جسم کا اگلا حصہ جو سینہ سے زیادہ قریب ہے پہلے نہ رکھے اور زمین

قریب سینہ کو پہلے نہ کر دے اور حدیث کا دوسرا جزو اس مطلب کے بالکل مخالف ہے اور حافظ ابن القیم اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

وسر المسئلة ان من تامل بروک البعير وعلم انه نهى النبي ﷺ عن بروک البعير علم ان حديث وائل بن حجر هو الصواب (زادالمعاد ص ۵۷ ج ۱)

[اور مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اونٹ کی نشست پر غور کرے گا اور یہ جانتا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے اونٹ کی نشست سے منع فرمایا ہے تو یہ سمجھ لے گا کہ وائل بن حجر کی حدیث ہی صحیح ہے]

نواب صدیق حسن نے بھی حافظ ابن القیم کی اس تحقیق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''معروف از بروک بعیر تقدم یدین برجلین است وثابت شدہ است از آنحضرت امر بہ مخالفتِ سائرِ حیوانات در ہیأتِ نماز'' (مسک الختام ص ۲۵۴)

[بروک بعیر کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ وہ ہاتھوں کو پاؤں سے پہلے رکھتا ہے، اور آنحضرتؐ سے یہ ثابت ہے کہ حالت نماز میں تمام حیوانات کی مخالفت کی جائے]

۲:- دوسری وجہ رجحان حدیث وائل کی یہ ہے کہ حدیث وائل کی امام ترمذی نے تحسین کی ہے (۱) اور حدیثِ ابو ہریرہ کی کسی نے تحسین یا تصحیح نہیں کی ہے، بلکہ بخاری ودارقطنی وترمذی (۲) نے اس پر جرح کردی ہے حافظ ابن القیم نے لکھا ہے:

(۱) اور حازمی نے کتاب الاعتبار میں لکھا ہے هذا حديث حسن على شرط أبي داؤد وأبي عيسى الترمذي وأبي عبد الرحمن النسائي أخرجوه في كتبهم یعنی یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی کی شرط پر حسن ہے ان ائمہ نے اس کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے (ص ۷۹) ۱۲ منہ

(۲) اور حافظ ابوبکر حازمی نے بھی جرح کی ہے فرماتے ہیں هذا حديث غريب لا يعرف من حديث ابي الزناد إلا من هذا الوجه ۱۲ منه

واما حديث ابى هريرة المتقدم فقد علله البخارى والترمذى والدار قطنى قال البخارى: محمد بن عبد الله بن حسن لا يتابع عليه، وقال لا أدرى اسمع من ابى الزناد ام لا وقال الترمذى: غريب لا نعرفه من حديث ابى الزناد إلا من هذا الوجه وقال الدار قطني: تفرد به الدراوردى عن محمد بن عبد الله بن الحسن العلوى عن ابى الزناد، وقد ذكر النسائى عن قتيبة حدثنا عبد الله بن نافع عن محمد بن عبد الله الحسن العلوى عن ابى الزناد عن الاعرج عن ابى هريرة ان النبى ﷺ قال يعمد احدكم في صلاته فيبرك كما يبرك الجمل ولم يزد (ص ۵۸ ج ۱)

یعنی حدیث ابوہریرہ پر بخاری وترمذی ودارقطنیؒ وغیرہ نے جرح کی ہے، امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن حسن کی اس حدیث کی بایں الفاظ روایت کرنے کی کوئی تائید نہیں کرتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ محمد مذکور نے ابوالزناد سے سنا بھی ہے یا نہیں، اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم کو یہ حدیث ابوالزناد سے صرف اسی طریق سے پہنچی ہے، اور دارقطنیؒ نے کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ سے یہ حدیث روایت کرنے میں دراوردی متفرد ہیں، حالانکہ امام نسائی نے محمد بن عبد اللہ سے بطریق عبداللہ بن نافع (راوی محمد بن عبداللہ) اس کو روایت کیا ہے، اور اس میں صرف اتنے الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں بعض لوگ اونٹ کی طرح نماز میں بیٹھتے ہیں اور عبداللہ بن نافع نے اس سے زیادہ کچھ نہیں ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ تین ائمہ حدیث نے روایت ابوہریرہؓ پر جرح کی ہے؛ دوسری یہ کہ دراوردی حدیث کے دوسرے

ے ساتھ متفرد ہیں اور عبداللہ بن نافع محمد بن عبداللہ کے دوسرے شاگردنے حدیث
ے پہلے جزو پر اقتصار کیا ہے، اور دارقطنی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے کہ دراوردی ؟
تفرد مضر ہے، اور حدیث وائل ان عیوب سے پاک ہے لہذا وہی راجح اور عمل کے لیے
متعین ہوگی۔

ہماری اس تقریر پر کوئی ناظر اہلحدیث یہ شبہ نہ کرے کہ بقول نامہ نگار اہلحدیث وائل کی حدیث پر بھی محدثین (ترمذی، نسائی، دارقطنی، بیہقی) نے جرح کی ہے، کیونکہ وائل کی حدیث کو مجروح بتانا نامہ نگار اور صاحب عون المعبود کی غلطی ہے۔ آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی ہے، مگر نامہ نگار اور صاحب عون المعبود دونوں ترمذی کی تحسین کو ہضم کر کے کہتے ہیں کہ ترمذی نے اس حدیث کی نسبت لکھا ہے کہ:

هذا حديث غريب لا نعرف احداً رواه غير شريك الخ [یہ حدیث غریب ہے ہم نہیں جانتے کہ اس کو شریک کے سوا کسی اور نے روایت کیا ہو]

حالانکہ اصل عبارت ترمذی کی یوں ہے:

هذا حديث غريب حسن لا نعرف احداً الخ [یہ حدیث غریب حسن ہے، ہم نہیں جانتے کہ الخ)

یہ تو نامہ نگار اہلحدیث وصاحب عون کی ایمانداری کا حال ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے ترمذی نے تحسین کے بعد یہ بھی تو کہا ہے: **لا نعرف احداً رواه غير شريك**، یعنی ہم نہیں جانتے کہ شریک کے سوا اس کو کسی اور نے روایت کیا ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تحسین کے بعد ترمذی کا یہ کہنا کچھ مضر نہیں ہے، کیونکہ ترمذی کا یہ کلام غرابت حدیث کی طرف اشارہ ہے، اور غرابت حسن کے منافی نہیں ہے، علاوہ بریں ترمذی نے مطلقاً غرابت حدیث کا دعویٰ بھی نہیں کیا ہے، بلکہ

حدیث مرفوع کی غرابت کا دعویٰ کیا ہے، چنانچہ انھوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے:

وروی همام عن عاصم مرسلاً [اور ہمام نے عاصم سے مرسلاً روایت کیا ہے
ولم یذکر فیه وائل بن حجر اور اس میں وائل بن حجر کا ذکر نہیں کیا ہے]

ان دونوں کلاموں کو یکجا کر کے غور کرنے سے صاف یہ مطلب ماخوذ ہوتا ہے کہ مرفوعاً روایت کرنے میں گو شریک متفرد ہیں مگر نفس حدیث کے روایت کرنے میں وہ متفرد نہیں ہیں، بلکہ ہمام نے ان کی متابعت کی ہے، پس حدیث مرفوعاً غریب ہوگی مگر حدیث مطلقاً غریب نہیں ہے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ترمذی نے شریک کے علاوہ کسی اور کے روایت کرنے کی نفی نہیں کی ہے، بلکہ اس سے اپنی ناواقفیت کا اقرار کیا ہے، اور ہر شخص جانتا ہے کہ نفیِ علم نفیِ وقوع کو مستلزم نہیں، اتنا بالکل صحیح ہے کہ شریک کے علاوہ اس حدیث کو مرفوعاً روایت کرنے کی خبر ترمذی کو نہ ہوگی مگر یہ کیا ضروری ہے کہ کسی نے روایت بھی نہ کی ہو، بلکہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ طریق شریک کے علاوہ ایک دوسرے صحیح طریق (بنا بر خیال مخالفین) سے یہ حدیث مروی ہے اور وہ عبدالجبار بن وائل کی حدیث ہے، اور عبدالجبار کی روایت (بنا بر خیال مخالفین) ایک مستقل حجت ہے، ورنہ کم از کم تفرد شریک کی علت کو رفع کرنے کے لیے تو بالکل کافی بلکہ اکفیٰ ہے۔

نامہ نگار و صاحب عون نے نسائی کی طرف بھی اس حدیث پر جرح کی نسبت کی ہے، مگر یہ ان دونوں کی خوش فہمی ہے۔ امام نسائی نے وائل کی پوری حدیث کے ساتھ یزید بن ہارون کے تفرد (عن شریک) کا دعویٰ نہیں کیا ہے، بلکہ حدیث کے دوسرے حصہ وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه کے متعلق یہ کہا ہے۔ امام نسائی نے کتاب الصلوۃ میں اس حدیث کو دو جگہ روایت کیا ہے، ایک مقام میں باب اول ما يصل الى الارض من الانسان في السجود کے تحت میں اس حدیث کو:

یا ہے اور وہاں کچھ نہیں کہا ہے، پھر بعینہ اسی حدیث کو اپنے ایک دوسرے شیخ کی
ایت سے باب رفع الیدین عن الارض قبل الرکبتین کے تحت میں لائے
ہیں اور وہاں تفرد یزید کا ذکر کیا ہے، یوں سمجھئے کہ پہلی جگہ حدیث کے پہلے جزو کے لیے
باب باندھا ہے اور دوسری جگہ دوسرے جزو کے لیے، پس جس جزو کے لیے باب
باندھا ہے اسی کی بابت یہ فرمایا ہے: **لم یقل ھذا عن شریک غیر یزید بن ھارون** یعنی حدیث کے دوسرے جزو کو جس سے باب کو تعلق ہے یزید کے علاوہ
شریک کے کسی شاگرد نے نہیں کہا ہے، مگر امام نسائی کے کلام کا یہ مطلب ایک واقف
کار حدیث سمجھے گا دوسرا۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے   دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اور اگر بالفرض امام نسائی نے پوری حدیث کے ساتھ تفرد یزید کا ذکر کیا ہے،
تو میں کہوں گا کہ اولاً تو یزید کا تفرد مضر نہیں ہے، اس لیے کہ یزید بن ہارون ایک ثقہ
ثبت مشہور راوی ہیں اور تمام ائمۂ صحاح نے انھیں حجت قرار دیا ہے، چنانچہ ابن حجر
نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے: **أحد الثقات الأثبات المشاھیر** پھر ان پر
ایک معمولی نکتہ چینی کا ذکر کیا ہے اور اس کا کافی وشافی جواب دے کر لکھا ہے: **احتج
بہ الجماعة کلھم**، اور ایسے رواۃ کا تفرد بالکل مضر نہیں ہے۔ غایت مافی الباب یہ
کہ یہ حدیث فرد ہوگی، مگر ایسے رواۃ کے ایسے افراد بلا تامل صحیح ہیں **کما لا یخفی
علی من مارس الاصول۔**

ثانیاً:- یزید کا تفرد اس وجہ سے بھی مضر نہیں کہ یزید کے استاذ کے معاصر
امام یا شقیق نے یونہی روایت کیا ہے اور عبد الجبار بن وائل نے بھی اپنے باپ سے
یونہی روایت کیا ہے کمامر۔

امام نسائی کی طرح دارقطنی نے بھی تفرد یزید کا دعویٰ کیا ہے، اس کا بھی یہی

جواب ہے۔ دارقطنی نے ایک بات اور بھی کہی ہے کہ عاصم بن کلیب سے شریک کے علاوہ کسی اور نے اس کو روایت نہیں کیا ہے اور شریک کے افراد (جن کو وہ تنہا روایت کرے) قوی نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شریک کے افراد میں سے نہیں ہے، بلکہ (جیسا کہ آپ کو پہلے بارہا معلوم ہو چکا ہے کہ) شریک کی ہمام یا شقیق نے متابعت کی ہے اور عبدالجبار بھی ان کا متابع ہے، اور متابعت کے خود نامہ نگار اہلحدیث نے شریک کی روایت کا مقبول ہونا تسلیم کیا ہے (اہلحدیث ۲۶ دسمبر ۲۴ء ص ۹ کالم ۳) لیکن اس نے یہ جو کہہ دیا ہے کہ ''اس روایت میں ان کی متابعت (مرفوعاً) کسی نے نہیں کی ہے'' تو یہ اس کی تنگ نظری وقصور علم ہے، اور اس کے بعد اس کا یہ کہنا کہ ''لہذا وائل بن حجر کی روایت سے زیادہ لائق عمل ابو ہریرہ کی روایت ہے'' بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

دارقطنی کے کلام کا دوسرا جواب یہ ہے کہ شریک کوئی متروک یا سئی الحفظ راوی نہیں ہے، بلکہ امام ذہبی کے قول سے حافظ صادق امام (الحافظ الصادق احد الائمة، میزان ۱/۴۴۴)، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کامل الضبط اور تام الاتقان نہیں ہے، اور ایسے رواۃ کا تفرد بھی مانع احتجاج نہیں ہے، اصول حدیث سے باخبر شخص جانتا ہے کہ ایسے رواۃ کے افراد حسن ہوتے ہیں، چنانچہ البیان المکمل میں ہے:

وإن لم يوثق بضبطه لكن لم يبعد عن درجة الضابط كان حسناً (ص ۳)

[اور اگر اس کے ضبط کی وجہ سے اس کی توثیق نہ کی گئی ہو لیکن ضابط کے درجہ سے دور بھی نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوگی]

دارقطنی کی طرح امام بیہقی نے بھی تفرد شریک ہی کا تذکرہ کیا ہے، لہذا ان کے کلام کا جواب بھی وہی ہے جو دارقطنی کے کلام کا ہے۔ مختصر یہ کہ ان ائمہ کے ان

اقوال کو جرح کہنا غلطی ہے اور اگر یہ اقوال جرح بھی ہوں تو مانع احتجاج نہیں ہیں، کیونکہ وہ سب مدفوع ہیں کما بیناہ مفصلاً۔

نامہ نگار اہلحدیث کو تضعیف حدیث وائل بن حجر کے لیے ایک نئی بات بھی سوجھی ہے، باوجودیکہ اس میں نامہ نگار نے اپنی ساری قابلیت خرچ کردی ہے مگر پھر بھی ہم یہی کہنے پر مجبور ہیں۔

ابھی دلربائی کے انداز سیکھو کہ آساں نہیں دل لبھانا کسی کا

خیر وہ نئی بات بھی سن لیجئے لکھتا ہے: ''حدیث ابوہریرہ کے راجح ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ وائل کی روایت کا دوسرا جزو یعنی و إذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه صحیح حدیث کے مخالف ہے کیونکہ صحیح بخاری میں سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگانے کی روایت آئی ہے'' اس کے بعد صحیح بخاری سے مالک بن الحویرث﷜ کی حدیث (جس میں یہ الفاظ ہیں: إذا رفع راسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام یعنی جب وہ سجدہ ثانیہ سے سر اٹھاتے تو بیٹھتے اور زمین پر ٹیک لگاتے پھر کھڑے ہوتے) نقل کر کے لکھتا ہے: ''اگر ہاتھ گھٹنے سے پہلے اٹھانا مانا جائے تو اعتماد علی الارض باقی نہ رہے گا'' (اہلحدیث ۲۶ دسمبر)

ناظرین! آپ نے دیکھا کہ نامہ نگار نے مرجوحیت حدیث وائل کی کیسی انوکھی اور کتنی لطیف وجہ تراشی ہے اور اس سے اس کی قوت فہم کا بھی پتہ چلا ہوگا۔ غریب سے کوئی پوچھے کہ اگر حدیث وائل کا دوسرا جزو صحیح حدیث کے مخالف بھی مان لیا جائے تو حدیث کا پہلا جزو مرجوح کیوں ہو جائے گا، جتنے حصہ سے مخالفت ہوگی اتنا کمزور ہو جائے گا مگر دوسرا حصہ کیوں کمزور ہو جائے گا!

ثانیاً: مالک بن الحویرث کی حدیث اور وائل کی حدیث کے اس جزو میں مخالفت کیوں ہے؟ ہمارے خیال میں ان دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے (اولاً) اس

لیے کہ مالک بن الحویرث کی حدیث میں سجدۂ ثانیہ کے بعد جلسۂ استراحت کا ذکر ہے اور جلسۂ استراحت سے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اس صورت میں دوبار زمین سے ہاتھ اٹھانا متحقق ہوگا: ایک تو سجدہ سے سر اٹھاتے وقت، اور ایک جلسہ سے اٹھتے وقت، اور گھٹنا صرف ایک بار اٹھے گا، اور وہ سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانے کے بعد ہوگا، اور یہ حدیث وائل کے بالکل مخالف نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا بھی مفاد یہی ہے کہ سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھ پہلے اٹھانا چاہئے نہ یہ کہ ہر وقت ہاتھ پہلے اٹھانا چاہیے۔ یہ تو اس صورت میں جب کہ ہم اٹھنے اور زمین پر ہاتھ ٹیکنے کی وہی کیفیت مراد لیں جو نامہ نگار کے ذہن میں ہے، اور اگر ان دونوں کی یہ کیفیتیں نہ مراد لیں تو گھٹنے کا اٹھانا ہاتھ کے دونوں بار اٹھانے سے متاخر ہوگا، اس کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے کہ مالک جلسۂ استراحت کے بعد زمین پر ہاتھ ٹیک کر سرینوں کو اٹھاتے ہوں اور دونوں پاؤں کھڑے کرکے پنجے پر بیٹھتے ہوں، پھر ہاتھ اٹھا کر زانو پر ذرا ٹیک دے کر کھڑے ہو جاتے ہوں جس کی تعبیر یوں کی گئی ہے: إذا رفع راسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام اور ان الفاظ کا یہ مطلب لینے سے کوئی مانع نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی بعد ہے، اور ظاہر ہے کہ اس میں اور حدیث وائل میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔

حدیث وائل سے نہوض (سجدہ سے اٹھنے کی) جو کیفیت مفہوم ہوتی ہے، وہ ان کی حدیث کے اس طریق میں جو مخالفین کے مسلمات کی بنا پر صحیح ہے، مصرح ہے۔ اور وہ عبدالجبار والا طریق ہے، اس طریق میں وائل نے یہ بھی فرمایا ہے: وإذا نهض نهض على ركبتيه واعتمد على فخذيه (ابوداود ص......) یعنی آنحضرت ﷺ جب سجدہ سے اٹھتے تو اپنے گھٹنوں پر اٹھتے اور اپنی رانوں پر ٹیک لگاتے۔

ثانیاً: مالک بن الحویرث نے اپنی نماز کو آنحضرت ﷺ کی نماز سے تشبیہ

انی ہے، اور مشبہ ومشبہ بہ میں من کل الوجوہ مشابہت ضروری نہیں ہے، اس لیے ممکن ہے کہ انھوں نے اپنی نماز کو آنحضرت ﷺ کی نماز سے من کل الوجوہ تشبیہ دی ہو اور ممکن ہے بعض وجوہ سے تشبیہ دی ہو اور ان بعض میں کیفیت نہوض داخل نہ ہو، اور اس احتمال کے ہوتے ہوئے یقین کے ساتھ یہ کیفیت نہوض رسول اللہ ﷺ کا فعل نہیں قرار دی جا سکتی، ہاں محتمل ہوگی مگر احتمال یقین کا معارضہ نہیں کر سکتا۔

ثالثاً: حدیث وائل و مالک میں یوں بھی جمع ممکن ہے کہ ان دونوں کو دو وقتوں کی حکایت قرار دی جائے، اور غالباً مالک بن الحویرث نے نہوض کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے بڑھاپے کا واقعہ ہے، اور جب جمع ممکن ہے تو ترجیح بے قاعدہ ہے۔

رابعاً: اگر ترجیح ہی متعین ہو تو حدیث وائل کو ترجیح کا استحقاق ہے، اس لیے کہ حدیث وائلؓ سے جو کیفیت نہوض مستفاد ہوتی ہے وہی حضرت ابو ہریرہؓ کی اور ابن عمرؓ کی حدیثوں (۱) سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ ابن عمرؓ کی حدیث آئندہ آئے گی اور حدیث ابو ہریرہؓ یہ ہے:

کان النبی ﷺ ینھض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ (ترمذی ص......) یعنی آنحضرت ﷺ اپنے پاؤں کی انگلیوں پر کھڑے ہوتے تھے

(۱) وائل کی ایک دوسری حدیث میں بھی یہی ہے إن رسول اللہ ﷺ کان إذا رفع رأسہ من السجدتین استوی قائماً [رسول اللہ ﷺ جب دونوں سجدوں سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے] اور معاذ بن جبل کی حدیث میں ہے إن کان یمکن جبھتہ وأنفہ من الأرض ثم یقوم کأنہ السھم [اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر جماتے تھے پھر تیر کی طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے] اور نعمان بن ابی عیاش فرماتے ہیں أدرکت غیر واحد من أصحاب النبي ﷺ فکان إذا رفع رأسہ من السجدۃ في أول رکعة وفي الثانیة قام کما ھو ولم یجلس (تلخیص الحبیر ص۹۹) [میں نے کئی ایک صحابیوں کو دیکھا ہے کہ جب پہلی اور دوسری رکعت میں سجدہ سے سر اٹھاتے تو اسی طرح کھڑے ہو جاتے اور بیٹھتے نہیں تھے]

یعنی بدون جلسۂ استراحت کیے ہوئے کھڑے ہوجاتے تھے، اور بدون جلسہ استراحت کیے ہوئے کھڑے ہوجانے کی کیفیت وہی جو ابوداود سے وائل کی حدیث میں نقل کی گئی ہے، علاوہ بریں مالکؓ بن الحویرث کی حدیث جلسۂ استراحت کی سنیت کی مثبت ہے۔ حالانکہ بہت سے صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی نماز کی حکایت کی ہے مگر مالک اور ابوحمیدؓ کے سوا کسی نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا ہے، اور اگر یہ آنحضرت ﷺ کی سنت مستمرہ ہوتی تو ضرور تھا کہ اور صحابہ بھی اس کو ذکر کرتے، حافظ ابن القیم فرماتے ہیں: وقال أخبرني يوسف موسى أن ابا امامة سئل عن النهوض فقال على صدور القدمين على حديث رفاعة وفي حديث ابن عجلان ما يدل على انه كان ينهض على صدور قدميه، وقد روى عن عدة من أصحاب النبي ﷺ وسائر من وصف صلاته ﷺ لم يذكر هذه الجلسة وانما ذكرت في حديث ابي حميد ومالک بن الحويرث ولو كان هديه ﷺ فعلها دائماً لذكرها كل واصف لصلاته، ومجرد فعله ﷺ لها لا يدل على كونها سنة من سنن الصلاة فهذا تحقيق المناط في هذه المسئلة (۶۱/۱-۶۲)

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱- حدیث وائل سے جو کیفیت نہوض مستفاد ہوئی ہے اس کی تائید حدیث ابن عجلان وفتویٰ ابوامامہؓ بھی کرتا ہے۔

۲- جلسۂ استراحت سنت نہیں ہے، اور جب جلسۂ استراحۃ ہی سرے سے سنت نہیں ہے تو اس سے نہوض کی کیفیت جو اس کی تابع ہے بطریق اولی سنت نہ ہوگی، جب جلسۂ استراحۃ اور اس سے نہوض کی کیفیت سنت نہ رہی تو نہوض علی صدور القدمین اور اس کی کیفیت سنت ہوگی اور حدیث وائل اسی کی مثبت ہے لہذا وہ مقدم ہوگی،

چنانچہ اسی وجہ سے حافظ ابن القیم نے نہوض علی صدور القدمین اور اس کی کیفیت کو سنت (سنت) رسول قرار دیا ہے:

ثم کان ﷺ ینهض علی صدور قدمیه ورکبتیه معتمداً علی فخذیه کما ذکر عنه وائل وابو هریرة ولا یعتمد علی الارض بیدیه (۱/۶۱)	یعنی آنحضرت ﷺ اپنے پاؤں کے سرے اور گھٹنوں پر کھڑے ہوتے تھے اور رانوں پر ہاتھ ٹیکتے تھے جیسا کہ وائل وابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے اور زمین پر ہاتھ نہیں ٹیکتے تھے

اس کے بعد نامہ نگار اہلحدیث ارجحیت حدیث ابو ہریرہؓ کی ایک وجہ یہ بھی قرار دیتا ہے کہ ''فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے: روی عبدالرزاق عن ابن عمر أنه کان یقوم إذا رفع راسه من السجدة معتمداً علی یدیه قبل ان یرفعها ''یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد جب کھڑے ہونے لگتے تو ہاتھ اٹھانے سے پیشتر اپنے ہاتھوں سے (زمین پر) ٹیک لگاتے ہوئے اٹھتے'' اس حدیث سے ابو ہریرہ کی حدیث کی تقویت ہوتی ہے'' (اہلحدیث ۲۶ ستمبر)

میں کہتا ہوں کہ صرف ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حدیث ابو ہریرہؓ کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے ابو ہریرہؓ کی حدیث کو وائل کی حدیث سے راجح قرار دینا نامہ نگار ہی جیسے عقلمندوں کا کام ہوسکتا ہے، اس لیے کہ عمل صحابی ہی سے ان دونوں میں سے کسی کو ترجیح دینا ہوگا تو حدیث وائل ہی قابل ترجیح ہوگی، کیونکہ حدیث ابو ہریرہؓ کے مقتضیٰ پر اگر ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عمل کیا ہے تو حدیث وائل کے مقتضیٰ پر حضرت عبداللہؓ کے والد بزرگوار خلیفۃ المسلمین فاروق اعظمؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فقیہ اعظم (دو صحابیوں) نے عمل کیا ہے۔ انصاف کرو کہ حدیث وائلؓ راجح ہے یا حدیث ابی ہریرہؓ۔ علاوہ بریں نامہ نگار نے فتح الباری سے بحوالہ مصنف عبدالرزاق

حضرت ابن عمر کا جو فعل نقل کیا ہے، اس کے مخالف خود ان کی حدیث مرفوع سنن ابو داود میں موجود ہے، اور نامہ نگار اور اس کے ہم خیالوں کے نزدیک جب صحابی کے عمل اور حدیث میں تعارض ہوتا ہے تو روایت کو ترجیح ہوتی ہے، عبداللہ بن عمرؓ کی وہ حدیث یہ ہے:

نهى أن يعتمد الرجل على يديه إذا نهض في الصلوة (رواه ابو داود من طريق محمد بن عبدالملك عن عبدالرزاق عن معمر عن اسمعيل بن امية عن نافع عن ابن عمر مرفوعاً)	یعنی ابن عمر سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ آدمی نماز میں (سجدہ سے) اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگائے۔

ابن عمرؓ کی اس مرفوع حدیث سے وائلؓ کی حدیث کی تقویت ہوتی ہے اور چونکہ اس حدیث صحیح کے مخالف ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے اس لیے حدیث ابو ہریرہ مرجوح ہوگی (کما تفوہ بہ المخالف)

۳- تیسری وجہ ترجیح حدیث وائل کی یہ ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کا متن مضطرب ہے اور اضطراب اسباب ضعف سے ہے، لہذا حدیث ابو ہریرہ سے استدلال صحیح نہیں ہے، اضطراب یوں ہے کہ کوئی اس کو بایں الفاظ روایت کرتا ہے ولیضع رکبتیه قبل یدیه اور کوئی یوں کہتا ہے: ولیضع رکبتیه قبل یدیه (لما تقدم) اور کوئی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ولیضع یدیه علی رکبتیه (بیہقی) اور کوئی اس جملہ کو بالکل حذف کر کے صرف اتنا کہتا ہے: یعمد احدکم فی صلاته فیبرک کما یبرک الجمل (نسائی وغیرہ) چونکہ حدیث وائل اس علت سے بری ہے اس لیے وہ حدیث ابو ہریرہ سے ارجح ہے۔

۴- چوتھی وجہ یہ ہے کہ ایک جماعت اہل علم نے حدیث ابو ہریرہؓ کو ثابت

...ت کی تقدیر پر منسوخ قرار دیا ہے، چنانچہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب مذہب نے یہ کہا ہے کہ ہاتھوں کے پہلے رکھنے کی حدیث منسوخ ہے، اس خیال کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں یہ حدیث روایت کی ہے:

کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فأمرنا بالرکبتین قبل الیدین (زادالمعاد) یعنی سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم گھٹنوں سے پیشتر ہاتھوں کو رکھا کرتے تھے، پس ہمیں حکم دیا گیا کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھا کریں۔

صاحب مغنی وغیرہ نے اسی بنا پر حدیث ابوہریرہ کو منسوخ ٹھہرایا ہے، حافظ ابن القیم لکھتے ہیں: وهذه طريقة صاحب المغنى وغيره (۵۸/۱)

۵- پانچویں وجہ یہ ہے کہ اکثر فقہائے اسلام اسی امر کے قائل ہیں جو حدیث وائل سے ثابت ہوتا ہے، اور اس کا خلاف صرف امام اوزاعی اور امام مالک سے (بروایتے) محفوظ ہے، ابن ابی داود کے قول: وهو قول اصحاب الحديث (یعنی اور یہی اصحاب حدیث کا قول ہے) سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، اس لیے کہ اصحاب حدیث سے بعض اصحاب حدیث مراد ہیں، اس لیے کہ اصحاب حدیث میں سے احمد وشافعی واسحق بن راہویہ بھی ہیں اور وہ اس کے خلاف ہیں، اور غالباً ان بعض اصحاب حدیث کے مصداق اوزاعی و مالک رحمہما اللہ ہیں۔ الحاصل ان وجوہ کی بنا پر ہم ...ور کہتے ہیں کہ حدیث وائلؓ حدیث ابوہریرہؓ سے اقویٰ وارجح ہے، حافظ ابن القیم نے ترجیح حدیث وائل کی دس وجہیں ذکر کی ہیں۔

یہاں پہنچ کر میں یہ بھی ظاہر کردوں کہ حدیث ابوہریرہؓ کو حافظ ابن حجر اور ابن سیدالناس نے حدیث وائل سے اقویٰ کہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث وائل کو امام خطابی صاحب معالم السنن اور حافظ ابن القیم وغیرہما نے اقویٰ وارجح کہا ہے

فھذا بذاک، حافظ ابن القیم لکھتے ہیں:

وحدیث وائل بن حجر اولی لوجوہ، احدھا أنہ أثبت من حدیث ابی ہریرۃ قالہ الخطابی وغیرہ

یعنی حدیث وائل چند وجہوں سے راجح ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ حدیث ابوہریرہ کے اعتبار سے اقوی ہے، چنانچہ خطابی وغیرہ نے ایسا ہی کہا ہے

اور ایک جگہ فرماتے ہیں: وحدیث وائل اقوی (ص۵۹)[وائل کی حدیث زیادہ قوی ہے]

علاوہ بریں ابن سید الناس نے ارجحیت حدیث ابوہریرہؓ کی کوئی وجہ نہیں بیان کی ہے اس لیے اس کے تسلیم میں تأمّل ہے، ہاں حافظ ابن حجر نے وجہ بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث ابوہریرہ کی شاہد حدیث ابن عمر ہے جسے ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے، لیکن آپ کو یاد ہوگا کہ حدیث وائل کے ایک چھوڑ دو شاہد ہیں اور دو متابعتیں بھی ہیں، پھر میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ دو دو شواہد ومتابعات والی روایت سے ایک شاہد والی (صرف شاہد کے بل پر) ارجح واقویٰ کیونکر ہو جائے گی، چنانچہ حافظ ابن حجر کے اس کلام پر نواب صدیق حسن نے خود اعتراض کر دیا ہے لکھتے ہیں:

ولیکن برائے حدیث وائل نیز شاہد ہست چنانکہ گذشت وحاکم آنرا علی شرطھما (ناقل می گوید وذہبی برآں سکوت نمودہ) گفتہ وغایت وے این ست کہ برابر باشد باشاہد حدیث ابو ہریرہ کہ متفرد ست بدان شریک ودریں صورت ابو ہریرہ ووائل در

[لیکن حدیث وائل کے لیے بھی شاہد ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر قرار دیا ہے (علامہ اعظمی فرماتے ہیں کہ ذہبی نے حاکم کے قول پر سکوت کیا ہے) اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ابوہریرہؓ کی جس حدیث میں شریک متفرد ہیں وہ شاہد حدیث ابوہریرہؓ کے برابر ہوگی، اور اس

قوت متفق باشند بموافق تحقیق حافظ ابن القیم حدیث ابو ہریرہ آئل است بسوئے حدیث وائل، ونیست درو بے مگر قلب ایں را انکار نتواں کرد زیرا کہ قلب در بسیارے از احادیث واقع شدہ وازیں جاست کہ جمہور ائمہ وابوحنیفہ وشافعی واحمد بن حنبل درانچہ مشہوراست از مذہب ایشاں عمل بحدیث وائل بن حجر نمودہ اند وزانوہا پیش از دستہا نہادہ اند (مسک الختام ص ۴۵٦)

[صورت میں حدیث ابو ہریرہؓ و وائلؓ دونوں قوت میں برابر ہوں گی، اور حافظ ابن القیم کی تحقیق کے مطابق حدیث ابو ہریرہؓ حدیث وائل کی طرف راجع ہوگی، اور اس میں قلب ہوگیا، اور اس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ بہت سی احادیث میں قلب واقع ہوا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمہ اور ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کا مشہور مذہب اس باب میں یہی ہے کہ وائل بن حجر کی حدیث پر عمل کیا ہے اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھا ہے]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نواب صاحب کا رجحان بھی حدیث وائل کی ترجیح کی طرف ہے۔ اب میں دو بزرگوں کی رائیں نقل کر کے اس تحریر کو ختم کرتا ہوں:

۱- شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:

ایں حدیث اصح واثبت است از حدیث ابو ہریرہ وجماعۂ از حفاظ تصحیح ..... ترجیح کردہ اند وچوں دو حدیث مختلف آمد سبیل آنست کہ عمل باقوی واصح کنند وبعض گفتہ اند کہ ایں حدیث ناسخ حدیث ابو ہریرہ است (مسک الختام ص ۴۵۵)

[یہ حدیث، حدیث ابو ہریرہؓ سے زیادہ صحیح وثابت ہے، اور ایک جماعت حفاظ نے اس کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے، اور جب دو حدیثیں مختلف ہوتی ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اقویٰ اور اصح پر عمل کرتے ہیں، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابو ہریرہؓ کی حدیث کی ناسخ ہے]

۲- امام نووی شافعی فرماتے ہیں:

ظاہر نمی شود ترجیح احدالمذہبین بر آخر ولیکن اہل ایں مذہب ترجیح دادہ اند حدیث وائل را و گفتہ اند کہ حدیث ابو ہریرہ مضطرب است زیرا کہ مروی است از وے ہر دو امر (مسک الختام ص۴۵۴)

[ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح دینا ... نہیں معلوم ہوتا، لیکن اس مذہب ... لوگوں نے حدیث وائلؓ کو راجح قرار دیا ... ہے اور کہا ہے کہ حدیث ابوہریرہؓ مضطرب ... ہے اس لیے کہ ان سے دونوں امر مروی ہیں]